پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

ہائے جمہوریت

ایک تحقیقی مطالعہ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق۔ایم۔اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

ہائے جمہوریت

چشمِ تصور کے سامنے وہ منظر اب بھی گھوم رہا ہے جب اس ملک کا بچہ بچہ گلی گلی میں گھوم کر نعرے مار رہا تھا کہ بٹ کے رہے گا ہندوستان لے کے رہیں گے پاکستان، حصولِ آزادی کے لئے یہ جوش اس سے پہلے کبھی سامنے نہیں آیا تھا پھر منظر جو بدلا تو نعرہ بھی بدل گیا یعنی پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰـہَ اِلّا اللّٰـہ مگر جوش میں کمی نہ آئی یہ وہ وقت تھا جب پاکستان بننے کا تصور ایک حقیقت بن کر ابھرا اور آخر ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر نمودار ہو گیا۔

مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پوری قوم کے کسی فرد یا جماعت نے نہ یہ پوچھا نہ بتایا کہ: لا اِلٰـہَ اِلّا اللّٰـہ کا مطلب کیا ہے؟ ہاں ایک کونے سے ایک دبی دبی گونج سنائی دینے لگی اور یہ اس شخص کی آواز تھی جسے ترجمانِ حقیقت بھی کہا جاتا ہے گو عموماً اسے شاعر ہی سمجھا جاتا رہا اور اسے سب سے بڑی شکایت ہی یہ رہی کہ ۔ مرا یاراں غزلخوانے شمروند۔ تو اس شخص نے کہا کہ پاکستان کا مطلب کیا کا جواب یہ ہے کہ:۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری

مگر پوری قوم کے اصاغر اور اکابر کسی نے اس کی بات پر توجہ دی نہ سمجھی، ہاں انگریز نے اسے سمجھا اور خوب سمجھا اور اس آواز کو دماغوں اور دلوں تک پہنچنے سے روکنے کے لئے اس نے پورا پورا بندوبست کیا۔

آپ کو یاد ہوگا جب پاکستان بنا تو اس ملک کے پہلے حکمران کو گورنر جنرل کا عہدہ دیا گیا، آپ جانتے ہیں اس کا مطلب کیا تھا، گورنر ہو یا گورنر جنرل حکومت کا ایک کارندہ اور ملازم ہوتا ہے گویا بتایا گیا کہ پاکستان تو بن گیا مگر حکومت اب بھی ہماری ہی ہوگی، وہی 1860ء کا قانون اور 1935ء کا ایکٹ حکومت کرے گا، فرق یہ ہوگا کہ گورے حکمران پہلے سر پر بیٹھ کے حکومت کرتے تھے اب ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اپنے گھر بیٹھے یہاں حکومت کریں گے۔ حکمرانوں کے چہروں پر صرف براؤن پالش ہوگی، ان کے سینوں میں دل ہمارے دھڑکیں گے، وہ ہمارے دماغ سے سوچیں گے، ہماری آنکھوں سے دیکھیں گے، ہمارے کانوں سے سنیں گے اور ہماری زبان بولیں گے، ہمارے صرف ہاتھ کام کریں گے۔ بس یہ عوام جنکو کالانعام کہا جاتا ہے یعنی عوام جو محض حیوانوں کی مانند ہیں حقیقت میں وہ مانند نہیں بلکہ نرے ڈنگر ہیں، ان کو بہلانا مقصود ہے کہ دیکھ لو اب یہاں جارج اور سمتھ حکمران نہیں بلکہ غلام محمد اور یحیٰی خان حکمران ہیں۔

پھر منظر بدلا تو انہیں پڑھایا گیا، کہ اصل حکمران تو عوام ہیں، وہی جو کالانعام ہیں، اب وہ خود اپنے میں سے حکمران چُن لیں۔

یہ منتخب حکمران گو بظاہر ایک ایک فرد ہونگے لیکن درحقیقت سارے عوام ہی تو حکمران ہونگے اور اس نظام کا نام جمہوریت ہوگا۔ قوم کو یہ سبق ایسا یاد ہوا کہ کانوں کی راہ سے دل کی تہہ میں اتر گیا اور عوام نے پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ یوں بھلایا جیسے اس قوم کے کسی فرد نے یہ کہنے کی حماقت کی ہی نہیں تھی چنانچہ وقفے وقفے کے بعد حکمرانوں کے انتخاب کرنے کا ڈرامہ رچایا جاتا رہا۔ مگر حقیقت بھی عجب شے ہے یہ خود کو منوا لیتی ہے چنانچہ ایک منتخب وزیر علی احمد تالپور کے منہ سے حقیقت نے یہ اعلان کرا دیا کہ:۔

"میں اس بات سے اتفاق نہیں کروں گا کہ پاکستان نظریہ اسلام کے تحت وجود میں آیا، اگر ایسا ہوتا تو غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان، یحیٰی خان اور بھٹو جیسے لوگ ہرگز برسر اقتدار نہ

آتے"۔ (نوائے وقت 86-3-9)

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰـہَ اِلّا اللّٰـہ کے بھلا دینے کا اس سے بڑا ثبوت کیا چاہیئے؟ یہ جن بزرگوں کے نام لئے گئے ہیں ذاتی خوبیوں کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھ کر انگریز تھا، لیکن ایک قدر مشترک بھی تھی کہ سارے کے سارے شرابی تھے بلکہ ایک بزرگ تو اس وصف میں عالمی چیمپئن تھے۔ اب حکمران بننے کے لئے جو برگزیدہ لوگ میدان میں آتے رہے انکی ایک تصویر ملاحظہ ہو:۔

(۱) نصر اللہ خٹک کا بیان نوائے وقت 94-7-10

"سکندر بھٹو سے میری دوستی تھی ہم دونوں کی ملاقاتیں ہیرا منڈی میں ہوا کرتی تھیں اور ہیرا منڈی میں شراب پینے کے بعد واپس گھروں کو لوٹتے تھے، اِسی دوران بھٹو سے میری ملاقات ہوئی، پھر مجھے صوبہ سرحد کا وزیرِ اعلیٰ بنا دیا گیا اور میں پیپلز پارٹی کے بانیوں میں سے ایک ہوں، بھٹو میرے پسندیدہ ہیرو تھے"۔ یہ دیکھ لیجئے پاکستان کا مطلب کیا لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ کے دلکش مناظر ہیں اسی پر بس نہیں۔

(۲) 1988ء میں ملک کے صدر نے فرمایا تھا کہ "اب فاسق، بددیانت اور غیر متقی لوگ انتخاب نہیں لڑ سکیں گے"۔ (جنگ لاہور 88-10-7)

(۳) دو سال کے بعد پھر نیا اعلان ہوا کہ "ہر وہ شخص نااہل ہوگا جو اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نہ ہو کبیرہ گناہوں سے نہ بچتا ہو، اخلاقی پستی میں ملوث ہو، غیر پارسا، بددیانت، فاسق، سزا یافتہ اور نظریہ پاکستان کا مخالف ہو اسلامی اقدار سے انحراف کرتا ہو، اسلامی تعلیمات کا علم نہ رکھتا ہو"۔ (جنگ 90-8-24)

صدر کا یہ اعلان دراصل پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰـہَ اِلّا اللّٰـہ کی صدائے بازگشت تھی اس کا پہلا اثر یہ ہوا کہ الیکشن کمیشن نے نئے انتخابات کے وقت امیدوار بن کر میدان میں آنے

والوں کی خوب جانچ پڑتال کی اور کسی غیر متقی کو میدان میں آنے ہی نہ دیا، چنانچہ انتخابات ہو گئے اور ایوان اقتدار میں متقیوں کا جمعہ بازار لگ گیا، مصیبت یہ آن پڑی کہ اب امام المتقین کسے بنایا جائے، واقعی لاینحل مسئلہ تھا۔ مگر ایک نکتہ ہاتھ آ گیا اور اعلان ہو گیا کہ دیکھئے جناب یوں تو متقی سب برابر ہیں مگر ایک تقویٰ ولایتی ہے اور ولایتی شے کی برتری سے بھلا کون انکار کرے اور یہ صرف ولایتی ہی نہیں میڈ اِن آکسفورڈ ہے۔ چنانچہ اس ولایتی متقی کو امام المتقین چن لیا گیا اور اسلامی حکومت کی سربراہی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اور تقویٰ کی برکات ملک میں پھیلنے لگیں، صدر کے اعلان کہ اسلامی تعلیمات کا علم رکھتا ہو کا ثبوت جلد ہی مل گیا کہ ایک میٹنگ کے دوران جب قریب سے اذان کی آواز آئی تو امام المتقین نے فرمایا، دیکھو اذان بج رہا ہے اور عہد اقتدار ختم ہونے کے بعد احتساب شروع ہوا تو احتساب بینچ نے فیصلہ سنایا: ''سابقہ وزیر اعظم بے نظیر اور اس کے شوہر نامدار، پانچ پانچ سال قید 86 لاکھ ڈالر جرمانہ اور کل جائیداد ضبط، کرپشن کے جرم میں'' اور اس فیصلہ کے بعد امام المتقین ہنوز مفرور کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یہ اس جمہوری نظام کی برکات کی معراج ہے۔ دیکھ لیجئے بالغ عوام نے پورے معاشرے میں سے متقی بلکہ اتقی شخصیتوں کا انتخاب کس بالغ نظری سے کر لیا۔

موجودہ فوجی حکومت میں عوام و خواص نے جمہوریت کے فراق میں وہ دہائی دے رکھی ہے کہ الامان۔ افراد سے لے کر سیاسی اور دینی جماعتوں تک ہر طبقے سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ سب مشکلات کا حل صرف جمہوریت ہے۔ آیئے ذرا اس جمہوریت کی حقیقت تو معلوم کریں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس میں اس درجے کی جاذبیت اور کشش کہاں سے آ گئی۔

سب سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جمہوریت کا لفظ جب بھی بولا جائے اس سے مراد وہ جمہوری نظام حکومت ہوتا ہے جو مغرب نے اولادِ آدم کو تحفہ اور وہ بھی لاجواب تحفہ کے طور پر عطا کیا ہے، پھر یہ کہ اس کی ساخت اور اجزائے ترکیبی پر غور کرنا ہے تو اس ضمن میں معلوم ہوتا ہے کہ

اس کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا، ابتداء ہے بالغ رائے دہندگی جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کرنے کی اہلیت کا فیصلہ صرف وہ لوگ کریں گے جو بالغ ہوں، مرد و عورت کی تخصیص نہیں نابالغ افراد کو یہ فیصلہ دینے کا کوئی حق نہیں۔

واقعی یہ اصول ایک گوہر نایاب ہے، آؤ ذرا اس کا تجزیہ تو کریں۔ یعنی کل ایک آدمی نابالغ تھا وہ جو بات بھی کرتا اسے بچگانہ قرار دیا جاتا آج بالغ ہوا تو ایک رات میں اس کی بالغ نظری کا یہ عالم ہو گیا کہ آج وہ حق اور باطل، جائز اور ناجائز، صحیح اور غلط، مفید اور مضر، ادنیٰ اور اعلیٰ میں صرف تمیز ہی نہیں کر سکتا، بلکہ فیصلہ دے سکتا ہے۔ اس فیصلے کا اصطلاحی نام ووٹ ہے۔ اس پر مزید یہ کہ وہ رات بھر میں اس قابل ہو گیا کہ فیصلہ دے کہ کس میں حکمران بننے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہے۔

اب ذرا سوچئے۔ زمانہ قبل از تاریخ کو تو چھوڑیئے جب سے انسانی تاریخ شروع ہوئی اور آج تک جہاں پہنچی ہے اس کا مطالعہ کر کے ذرا یہ تلاش کیجئے کہ اس طویل زمانے میں دنیا کے کسی ملک میں کسی قوم نے اتنی بڑی احمقانہ بات اور اتنی بڑی حماقت بھی کبھی کی ہے۔ کہ ایک فرد کی صلاحیتوں میں ایک رات میں اتنا بڑا انقلاب آجائے۔ اصول کے احمقانہ ہونے میں اضافہ اس وقت معلوم ہوتا ہے جب آدمی یہ دیکھے کہ اس اصول کے ماتحت ایک ڈوم، بھانڈ، یا کنجر کا فیصلہ اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا فیصلہ بالکل برابر مانا جاتا ہے، جس آدمی کے ساتھ عقل کی تہمت بھی لگی ہو وہ بھی پکار اٹھے گا کہ اس اصول کے بنانے والوں کی اصل جگہ پاگل خانہ ہے، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ جمہوریت کا یہ شاندار محل اسی بنیاد پر کھڑا کیا جاتا ہے۔

یہ ہے اس کی ابتدا اب اس کی انتہا دیکھئے کہ جب ووٹ ختم ہوں تو ان کی گنتی کی جائے کہ ہر امیدوار کو کتنے ووٹ پڑے ہیں تو جس امیدوار کو ووٹوں کی اکثریت حاصل ہو اس کے متعلق فیصلہ ہو گیا کہ سب کے مقابلے میں اس امیدوار میں حکومت کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے اس کی مثال سمجھئے:

سپریم کورٹ کا چیف جسٹس علامہ اقبال کو ووٹ دیتا ہے یعنی اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر فیصلہ دیتا ہے کہ سب کے مقابلے میں یہ زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہے ادھر نیلو اور نشو دونوں معمر رانا کو ووٹ دیتی ہیں، اب جمہوریت کہتی ہے کہ علامہ اقبال کوئی شے نہیں اصل موزوں آدمی معمر رانا ہے۔ پھر نور، نرما، نرگس تینوں شفقت چیمہ کو ووٹ دیتی ہیں جمہوریت کا فیصلہ یہ ہے کہ بس حکومت کرنا شفقت چیمہ کا کام ہے علامہ اقبال اور معمر رانا اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ لو اب یہ دیکھ لو، کہ یہ دوسرا اصول پہلے سے بھی بڑھ کر احمقانہ ہے۔ پہلے اصول کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن اس دوسرے اصول کی تاریخ بڑی طویل ہے، اتنی طویل جتنی اس کرہ ارض کی ہے۔ اب ذرا یہ بھی سن لیجئے۔

مسلمانوں کے پاس ایک کتاب ہے جسے عرفِ عام میں قرآن مجید کہتے ہیں، یہ خالق کی طرف سے بنی نوع انسان کے لئے آخری کتابِ ہدایت ہے۔ یعنی انسان کو جینے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھاتی ہے، یہ کتاب خالقِ کائنات کا ذاتی کلام ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی موجد جب کوئی چیز ایجاد کرتا ہے تو اس کی جزئیات یعنی اونچ نیچ جو وہ جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا، تو خالقِ کائنات جو اس کائنات کا موجد ہے اس نے اس کتاب میں جو کچھ فرمایا ہے، اس کو چیلنج کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں، لیجئے اب سنئے یہ کتاب کیا کہتی ہے:۔

۱۔ جب خالق نے آدمؑ کو پیدا کیا تو اس وقت موجود مخلوق کو حکم دیا کہ آدمؑ کے سامنے سجدہ کریں، سب جھک گئے، صرف ایک جوان اکڑ گیا، خالق نے پوچھا ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ''میں اس سے برتر ہوں'' اور ظاہر ہے کہ جو برتر ہے وہ اپنے سے کمتر کے سامنے کیوں جھکے، مگر در حقیقت اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کے متعلق اس کے موجد، اس کے خالق سے بھی زیادہ جانتا ہوں تو خالق نے اسے دھتکار دیا اور فرمایا:۔ اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اب اگر یہ معافی مانگ لیتا تو بات ختم ہو جاتی مگر اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور کہنے لگا: لَئِنْ

اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗ اِلَّا قَلِیْلاً۔'' اے خالقِ کائنات! اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے دے تو میں اس کی اولاد کو اپنے قابو میں کرلوں گا، کوئی تھوڑے ہی بچ سکیں گے''۔ بلکہ خالق کو ایک چیلنج دیا کہ: لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْم. ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ وَعَنْ شَمَائِلِھِمْ. اپنا طریقہ واردات بیان کردیا کہ اس کی اولاد سے بدلہ لینے کی صورت یہ ہوگی کہ میں تیری طرف آنے والے صراطِ مستقیم پر گھات لگا کے بیٹھ جاؤں گا، اس کی اولاد میں سے جو تیری طرف آنے کے لئے قدم اٹھائے گا میں اس پر آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے حملہ کروں گا اور تیری طرف آنے سے روکوں گا۔

اور اسے اپنی Canvassing پر اتنا اعتماد تھا کہ صاف چیلنج کردیا کہ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شَاکِرِیْن. یعنی میرے خالق سن لے تو اکثریت کو اپنی طرف آنے والا نہیں پائے گا۔

مراد یہ ہے کہ اولادِ آدمؑ کی **اکثریت** ہمیشہ میرے ساتھ ہوگی، خالق کو سب علم ہے، اگر اس جوان کی بات غلط ہوتی تو فرمادیتا کہ تو غلط کہتا ہے کہ **اکثریت** میرے ساتھ ہوگی مگر خالق نے یہ نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰن ۔یعنی تو زور لگالینا میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ گویا روز اول سے فیصلہ ہوگیا کہ کرہ ارض پر قیام جب ہوگا تو اولادِ آدمؑ کی دو پارٹیاں بن جائینگی ایک جو اللہ کے بندے ہونگے اس پارٹی کا نام حزب اللہ ہوگا۔ دوسرے جو شیطان کا بندہ بن کر رہنا پسند کریں گے اس پارٹی کا نام حزب الشیطان ہوگا۔ اور خالق نے یہ بھی بتادیا کہ قَلِیْل" مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْر۔ کہ میرے بندے تھوڑے ہی ہونگے اور **اکثریت** ہمیشہ تیری پارٹی کی ہوگی۔

اس مکالمہ سے یہ نکتہ ملا کہ **اکثریت** ہمیشہ باطل کا ساتھ دے گی اور حق کا ساتھ دینے والے ہمیشہ تھوڑے ہوا کریں گے، یہ ایسا نکتہ ہے کہ تاریخ انسانی اس کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اس شہادت کے واقعات بکثرت ملتے ہیں مثلاً:

(۱) حضرت نوحؑ کو آدمِ ثانی کہتے ہیں، انہوں نے اپنے دور کی انسانی آبادی کو اس خطرے سے آگاہ فرمایا کہ ابلیس نے کھلا چیلنج کیا ہے کہ میں اولادِ آدمؑ کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ میرے بندے تیرے جھانسے میں نہیں آئیں گے اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ شیطان کے حملوں سے بچنے کا ایک اور صرف ایک طریقہ ہے کہ آدمی اللہ کا بندہ بن جائے اس لئے میں تمہیں اس سے بچنے کے لئے اللہ کا بندہ بن جانے کی دعوت دیتا ہوں، یہ دعوت وہ 950 برس تک دیتے رہے لیکن اکثریت نے ان کی ایک نہ سنی اور اس طویل عرصے میں صرف اتنے آدمی اللہ کا بندہ بننے پر آمادہ ہو سکے جو ایک کشتی میں آ گئے۔ ثابت ہو گیا کہ واقعی شیطان کے بندے اکثریت میں ہوتے ہیں اور یہ حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ اکثریت ہمیشہ باطل پر متفق ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ہودؑ نے یہی دعوت دی مگر ان کی قوم نے جسے قوم عاد کہتے ہیں اکثریت کا وزن شیطان کے پلڑے میں رکھا۔ حضرت ہودؑ کا ساتھ **قلیل** سی جماعت نے دیا۔

(۳) حضرت صالحؑ نے یہی دعوت دی مگر قومِ ثمود کی اکثریت نے شیطان کا ساتھ دیا۔

(۴) حضرت ابراہیمؑ کی دعوت سن کر ان کی قوم ایسی سیخ پا ہوئی کہ ان کو جلتی آگ میں دھکیل دیا۔

(۵) حضرت لوطؑ کی قوم کی اکثریت کے ووٹ ان کی دعوت کے خلاف پڑے۔

(۶) حضرت شعیبؑ کی قوم نے سابقہ اقوام کی طرح باطل کا ساتھ اکثریت کی صورت میں دیا۔

انسانی تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ اکثریت نے کبھی حق کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اس

اکثریت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ کیا قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا، وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا .... الخ (۲۹ : ۴۰) یعنی ہم نے ہر ایک قوم کو اس گناہ کے وبال میں گرفتار کیا ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا، بعض کو زور دار سخت چیخ نے دبوچ لیا، ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے پانی میں غرق کر دیا........ اللہ تعالیٰ کے اس مسلسل عذاب سے یہ ثابت ہو گیا کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ باطل کا ساتھ دیتی رہی، لہٰذا یہ کہنا کہ حق وہی ہوتا ہے جس کی اکثریت تائید کرے وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوتا بلکہ ایسی اکثریت کا وجود ہی زمین کا بس ایک بوجھ ہوتا ہے مگر کمال یہ ہے کہ ہماری جمہوریت پوری انسانی تاریخ کو جھٹلاتے ہوئے اس امر کی مدعی ہے کہ حق وہ ہوتا ہے جس کی اکثریت تائید کرے، واقعی جمہوریت ایسی لعنت ہے جو اولادِ آدمؑ سے انتقام لینے کے لئے شیطان نے بڑی چابکدستی سے ایجاد کی ہے۔ تاریخی شہادت کے بعد اب علمی اعتبار سے اس کی حقیقت بھی قرآن کی زبان سے سن لیجئے کہ یہ عوام کی اکثریت انسانیت کے لئے کس درجے کی نعمت ہے۔

۲۔ "اکثر" کا لفظ قرآن کریم میں 33 مقامات پر استعمال ہوا ہے اور یہ ساری اولادِ آدمؑ یعنی الناس کے حوالے سے آیا ہے۔ ان مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ اولادِ آدمؑ کی اکثریت میں کیا خصوصیت پائی جاتی ہے اور یہ یاد رہے کہ گیلپ سروے نہیں بلکہ اس ذات کا فیصلہ ہے جو آدمؑ کی خالق ہے اور اسی نے ہر فرد میں جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان سے اس ذات سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ جن مقامات پر جو وصف بار بار آیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:۔

(ا) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ. 4 مقامات پر یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ اولادِ آدمؑ کی اکثریت ایمان سے خالی ہوتی ہے، ایمان کیا ہے؟ ایمان یہ ہے کہ آدمی دل کی

گہرائیوں سے یہ یقین رکھے کہ اول میں خود پیدا نہیں ہوا بلکہ میرا خالق وہ ہے جو ساری کائنات کا خالق ہے، دوم اس نے مجھے عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ میری تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ سوم میرا کام صرف یہ ہے کہ خالق کی ہدایات کے مطابق میں بس اپنے مقصد تخلیق کے پورا کرنے کے لئے زندگی گزاروں، اگر ان تینوں اجزاء میں سے ایک بھی کم ہو اور آدمی سمجھے کہ وہ ایمان لایا ہے تو یہ ایمان نہیں، ایمان لانے کی ایکٹنگ یا اداکاری ہے۔ اس دور میں چونکہ اداکاری کو بڑا کمال سمجھا جاتا ہے اس لئے ایمان لانے میں اداکاری کو کافی سمجھا جاتا ہے اور آدمی ایمان سے خالی ہو تو اسے بے ایمان ہی کہتے ہیں تو اولادِ آدم کی اکثریت بے ایمانوں کی ہے۔ ایک مقام پر تو نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ. (۱۲:۱۰۳) یعنی اے میرے نبی آپ لاکھ چاہیں اولادِ آدم کی اکثریت ایمان لانے کی نہیں۔

(۲) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ. 3 مقامات پر، یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ اولادِ آدمؑ کی اکثریت ناشکری ہوتی ہے۔ شکر کیا ہے؟ یہ کہ آدمی کو جو بھی جانی مالی نعمت حاصل ہو اس کے متعلق دل سے یقین کہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اس میں اپنے استحقاق کا سوال ہے نہ اپنی کوشش و قابلیت کو دخل ہے، دوسری بات یہ کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر نعمت کو صرف اس کی اطاعت میں لگائے۔ اگر یہ دونوں نہ ہوں تو آدمی شکر گزار نہیں کہلا سکتا اور قارون کی طرح کہتا ہے: اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ۔ یہ تو صرف میری قابلیت کی وجہ سے مجھے ملی ہیں اور پھر اس نعمت کو پوری طرح اللہ کی نافرمانی میں کھپا دیتا ہے تو ان مقامات پر فرمایا کہ: اولادِ آدمؑ کی اکثریت ناشکروں اور باغیوں کی ہوتی ہے۔

(۳) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی بنی آدم کی اکثریت علم سے بے بہرہ ہوتی ہے۔ یہ وصف 10 مقامات پر بیان ہوا ہے آپ جانتے ہیں علم کی حقیقت کیا ہے؟ بہت سی کتابیں پڑھ لینا یا بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر لینا علم نہیں۔ یہ تو معلومات ہوتی ہیں، علم نام ہے ادراکِ حقیقت کا۔ اور حقیقت کا ادراک صرف اور صرف کسی حقیقت شناس استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ بڑی بڑی ڈگریوں اور پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھنے والے بھی دراصل اعلیٰ درجے کے جاہل ہوتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوا لوگوں کی اکثریت جہالت مآب ہی ہوتی ہے۔ اب یہ سوچئے کہ اکثریت جو ایمان سے خالی ہے اور جہالت مآب ہے اس کے ووٹ اگر کسی کو کسی موقع پر مل گئے تو وہ کس درجے کا عظیم آدمی ہوگا، ظاہر ہے کہ بے ایمان اور جاہل آدمی کی نگاہِ انتخاب کسی مہا بے ایمان اور مہا جاہل پر ہی پڑ سکتی ہے اور یہ جن کو عوام کہا جاتا ہے یہ وہی تو ہوتے ہیں جن کی اکثریت ہوتی ہے اور وہی ان مذکورہ اوصاف کے مالک ہوتے ہیں، اس لئے عام زبان میں بھی یہ کہا جاتا ہے، عوام کالانعام یعنی عوام حیوانوں کی مانند ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ان پیارے عوام کو یہ لقب کہاں سے ملا؟ سنئے یہ لقب خود ان کے خالق نے انہیں عطا فرمایا، جو آدمی اِنَّ عِبَادِیْ میں نہیں آتا جو قلیل تعداد میں ہوتے ہیں وہ اس جماعت کا فرد ہوتا ہے جس کے متعلق فرمایا:۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ یعنی یہ لوگ حیوانوں کی مانند ہیں، یہ مانند بھی اس لئے کہ شکل آدمیوں کی ہے، اوصاف حیوانوں کے ہیں۔ حقیقت آگے بیان فرمائی کہ بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ یہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں یعنی یہ نرے ڈنگر ہیں۔

اب یہ سوچئے کہ ان عوام کی اکثریت اگر کسی کو عظیم قرار دے تو اسے خوش ہونا چاہئے یا اسے

افسوس ہونا چاہئے کہ انہوں نے مجھے بھی اپنے جیسا ڈنگر سمجھا ہے، کسی مقابلے میں اکثریت حاصل ہونے کی حقیقت تو یہ ہے۔

۳۔ **اَکْثَرُھُمْ** کا لفظ قرآن کریم میں 45 مقامات پر آیا ہے۔ ان میں سے ھم ضمیر کا مرجع بہت سے مقامات پر النّاس یعنی پوری اولادِ آدمؑ ہے، جیسے ابلیس کے چیلنج میں وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شَاکِرِیْن. یہاں ھُمْ سے مراد اَلنَّاس ہے اور جہاں مراد اَلنَّاس نہ ہو وہاں کوئی خاص قوم کوئی خاص جماعت کوئی خاص گروہ۔ اور اَکْثَرُھُمْ جہاں بیان ہوا ہے، وہاں یہی بتلایا جاتا ہے کہ اس ہجوم کی اکثریت کے اوصاف یہ ہیں:۔

(۱) وَاَکْثَرُھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. یہ 10 مقامات پر آیا ہے۔ ان میں سے تین مقامات پر ھُم سے مراد النّاس یعنی پوری اولادِ آدمؑ ہے اور باقی مقامات پر مختلف قوموں کا ذکر ہے مثلاً: قومِ فرعون، قومِ ابراہیمؑ، قومِ نوحؑ، قومِ عادؑ، قومِ ثمودؑ، قومِ لوطؑ اور قومِ شعیبؑ وغیرہ۔ تو ان کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ ان اقوام میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو ایمان سے خالی تھے، اپنے خالق کے باغی تھے اور اپنے محسن انبیاء کے مخالف تھے پھر (۲۹:۴۰) میں یہ بتایا کہ ساری اکثریتیں اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آگئیں۔

(۲) بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُون۔ 14 مقامات پر آیا ہے۔ علم کی حقیقت بیان ہو چکی ہے، ان مقامات پر مختلف اقوام عالم کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہر قوم یا جماعت میں اکثریت جاہلوں کی رہی ہے۔

(۳) ان دو اوصاف کے علاوہ مختلف مقامات پر ان کے الگ الگ اوصاف ذکر ہیں مثلاً:

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمُ الْفَاسِقُوْن (۳:۱۱۰) اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْن (۵:۱۱۳) اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْن (۶:۱۱۱) وَاَکْثَرُھُمُ الْفَاسِقُوْن (۷:۱۰۲) وغیرہ ان

سارے مقامات پر فرمایا کہ دنیا کی مختلف اقوام اور جماعتوں میں بھی **اکثریت** ان لوگوں کی ہوتی ہے جو **ایمان** سے **خالی، بدکار، عقل** سے **خالی، جاہل** اور نرے ڈنگر ہوتے ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ اولادِ آدمؑ کی **اکثریت** اور اقوام عالم میں شامل افراد کی **اکثریت** ہر ملک میں اور ہر زمانے میں بے ایمانوں، جاہلوں، بدکاروں، اللہ کے نافرمانوں اور انسانیت کے دشمنوں کی ہی رہی ہے اور ہماری جمہوریت کا فیصلہ ہے کہ بس صرف **اکثریت** کی رائے اور فیصلہ ہی حق ہے حالانکہ قرآن کریم میں ایک مقام پر نہایت واضح الفاظ میں فرمایا: **وَاِن تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه** (۶:۱۱۶) یعنی تو اگر **اکثریت** کی بات مان لے گا تو یہ تو تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹا کر دم لے گی اور اس بات کی تائید ہے جو روزِ اول سے ابلیس نے چیلنج کر کے کہی تھی کہ: **لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْم** یعنی میں تیری صراط مستقیم پر گھات لگا کے بیٹھ جاؤں گا اور اولادِ آدمؑ کو تیری طرف ہرگز نہ آنے دونگا۔

۴۔ **اکثر** کے لفظ کے علاوہ **کثیر**'' کا لفظ بھی قرآنِ کریم میں 17 مقامات پر آیا ہے جو قریباً اسی مفہوم کا اظہار کرتا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں: **وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْن** (۵۷:۲۶) **وَيَصُدَّهُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ كَثِيْراً** (۴:۱۶) **وَاِنَّ كَثِيْراً مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُوْن**. (۵:۸۱) **وَلٰكِنَّ كَثِيْراً مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُوْن** (۳۰:۸)

۵۔ اسی طرح کثیراً کا لفظ 46 مرتبہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ بیشتر مقامات پر اسی مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کثیر کے مقابلے میں **قلیل** کا لفظ **اکثریت** کے اوصاف کی عین ضد کے بیان میں آیا ہے۔ **قَلِيْل**'' کا لفظ 13 مرتبہ قرآن کریم میں استعمال ہوا۔ ان میں سے کئی مقامات پر اس کے ساتھ ارشاد ہوا:

(۱) وَمَا اٰمَنَ مَعَہ' اِلَّا قَلِیْل (۴۰:۴)

(۲) وَقَلِیْل" مِنْ عِبَادِ یَ الشَّکُوْر (۱۳:۳۱)

(۳) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِیْل" مَّاھُمْ اور قَلِیْلًا کا لفظ 55 مقامات پر قرآنِ کریم میں آیا ہے ان میں سے بھی بیشتر مقامات پر اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اللہ کے بندے اور حق پرست دنیا میں ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔مثلاً۔

بَلْ لَّعَنھُمُ اللّٰہ بِکُفْرِھِم فَقَلِیْلاً مَّا یؤمِنُون. فَلَمَّا کُتِبَ علیھمُ القِتالُ تولّوا اِلَّا قَلِیْلاً مِّنھُمْ (۲۴۶:۲). وَلَوْلَا فَضْل اللہ علیکُمْ وَرَحْمَتُہ' لَا تَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰن اِلَّا قَلِیْلاً (۸۳:۴). وَلٰکِنْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤمِنُوْنَ اِلَّا قلیلاً (۴۶:۴). قَلِیْلاً مَّا تَذَکَّرُوْن (۳:۷) قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْن (۱۰:۷)

تاریخ نے یہ شہادت دے دی کہ مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں کرہ ارض پر اکثریت ہمیشہ ان لوگوں کی رہی ہے جو **ایمان** سے **خالی، علم** سے بے بہرہ، **عقل** سے **خالی**، اللہ کے **باغی** اور **انسانیت** کے **دشمن** رہے ہیں۔ اور قرآنِ کریم نے علمی طور پر بتا دیا کہ اولادِ آدمؑ کی **اکثریت** ان اوصاف کی مالک ہوتی ہے اور ہماری پیاری جمہوریت تاریخ کو جھٹلاتے ہوئے اور قرآن کریم کا انکار کرتے ہوئے ہمیں سکھاتی ہے کہ یاد رکھو حق ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس کو **اکثریت** حق تسلیم کرے اور **ہماری اسلامی جمہوریہ** کے عام اور برگزیدہ مسلمان جمہوریت کے فراق میں گھلے جا رہے ہیں اور جمہوریت لانے کیلئے تن من دھن قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔

متذکرہ بالا حقائق پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ جمہوریت یعنی عوام **کَالْاَنْعَام** کی **اکثریت** سے دنیا میں نہ کبھی حق غالب آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔ اور جمہوریت کے

ذریعے حق گو، حق پسند اور حق پرست افراد یا جماعت قیامت تک نہ برسرِ اقتدار آسکتی ہے نہ اب تک دنیا میں ایسا ہوا۔ ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ کفر کی **اکثریت** نے اہل حق کی **قلیل** سی جماعت کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی اور اہل حق کی **قلیل** جماعت نے حق کی بقا کے لئے اور حق کے دفاع کے لئے **کفر کی اکثریت** کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے حق کو غلبہ عطا فرمایا۔ اپنی تاریخ ہی کو دیکھ لیجئے کس طرح **کفر کی اکثریت** یلغار کرتی رہی اور **اہل ایمان کی اقلیت** کس طرح بُنیان " مَرْصُوص بن کر کھڑی ہوتی رہی اور حق کو غلبہ حاصل ہوتا رہا۔

	کفر کی یلغار	اہلِ حق	کفار
1	بدر 2 ھجری	313	1000
2	احد 3 ھجری	700	3000
3	احزاب 5 ھجری	1500	12000
4	خیبر 7 ھجری	1400	20000
5	موتہ 8 ھجری	3000	1000000
6	یمامہ 11 ھجری	15000	40000
7	شام 13 ھجری	27000	214000
8	قادسیہ 14 ھجری	36000	125000
9	15 ھجری	30000	150000
10	یرموک 15 ھجری	40000	240000

اب تاریخ سے پوچھئے کہ ان میں کس موقع پر جمہوریت کے ذریعے اہلِ حق کو اقتدار حاصل ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر قوم میں ایسے نابغہ روزگان لیڈر موجود ہوتے رہے جو علمی سطح پر قوم کو قربانی کیلئے تیار کرنے اور اپنے نظریہ اور عقیدہ کی علمی دنیا میں برتری ثابت کرنے کے لئے انسانیت کی

خدمت کیلئے ایسا لٹریچر تیار کرتے رہے جو قوم میں جوش، جذبہ اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے قربانی کا شوق پیدا کرنے میں خاص مقام رکھتا ہے اسی طرح ہماری قوم میں علامہ محمد اقبالؒ کو یہ مقام حاصل رہا مگر ہماری قوم بڑی دانشور واقع ہوئی ہے، اپنے معاملات میں جہاں کہیں علامہ اقبالؒ کے کلام میں اپنے مطلب کی کوئی بات دیکھتے ہیں جھٹ علامہ کا قول اس کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور علامہ کے کلام سے امرت دھارا کا کام لیتے ہیں، مگر اپنی پسند کے خلاف کوئی بات علامہ کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ بالکل پی جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے جرائد میں روزانہ علامہ کی تصویر آتی ہے نیچے اپنی پسند کے دو شعر لکھ دیتے ہیں اور ساتھ جمہوریت کے علمبردار بھی ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ ان کے کلام کو کوئی مقام ملتا ہے۔ چلئے ہم ان دانشوروں کی خدمت میں علامہ کا ایک شعر پیش کر دیتے ہیں۔ فرصت ملے تو اس پر غور فرمالیں۔ ارشاد ہے۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

مگر جہاں دنیا کی تاریخ اور دنیا کی آخری کتاب ہدایت سے بات سمجھ میں نہ آئی، علامہ اقبالؒ کا ایک شعر کیا تیر مارے گا۔

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پہ دعوائے حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

جمہوریت کے حماقت کا شاہکار ہونے میں کلام نہیں لیکن یہ ابلیس کی دانشورانہ صلاحیت کا کمال ہے کہ اس نے زہر کو تریاق بنا کے پیش کیا اور ماڈرن انسان نے اس کی حقیقت پر غور کرنا بھی گناہِ عظیم سمجھا، حالانکہ اگر یہ اصول درست ہوتا تو زندگی کے ہر شعبے میں اس سے کام لیا جاتا، مثلاً یونیورسٹی کا چانسلر بنانا ہے میڈیکل کالج کا پرنسپل چاہیے، انجینئرنگ کالج کا پرنسپل مقرر کرنا ہے اور ہر عہدے کے کئی امیدوار ہیں تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ چلو فلمی دنیا کے فنکاروں سے جا کر ووٹ

لے لو، جس کو اکثریت حاصل ہوئی اسے اس عہدے پر فائز کر دیا جائے گا، یہاں کیوں Expert Opinion کا اصول کارفرما ہوتا ہے اور مختلف فنون کے ماہرین چُن کر پبلک سروس کمیشن بنایا جاتا ہے اور کمیشن کے ماہرین کی اکثریت جو فیصلہ دے اسے قبول کیا جاتا ہے تو کیا حکومت چلانا ایسا بیکار مشغلہ ہے کہ ہر دو ٹنگا جانور منتخب کیا جا سکتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ اگر جہابانی فن کا ماہر مومن بندہ سربراہ مملکت بن جائے تو انسانیت کو فروغ ہو سکتا ہے اور یہ بات ابلیس کو ہرگز منظور نہیں اس لئے اس نے اپنے بندوں کو جمہوریت کا تریاق تیار کر دیا کہ ہر بے ضمیر، مکار اور چرب زبان، منافق جس کو عوام کو بے وقوف بنانے کا فن آتا ہے وہی برسرِ اقتدار آئے گا تو میری پارٹی کو تقویت پہنچے گی اور انسانیت ابھر نہ سکے گی۔

انسان کا لفظ کوئی بے معنی نہیں ہے بلکہ اس کا مادہ اُنس ہے اور انسان اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس میں انس کا مادہ غالب ہو۔ اپنے خالق سے انس اور اس کی مخلوق سے اُنس، خالق سے اُنس کا نتیجہ ہے اور تقاضا ہے کہ آدمی اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لئے خالق کی ہدایات سے سرمو انحراف نہ کرے اور خالق کی نافرمانی سے کلی طور پر اجتناب کرے اور مخلوق سے اُنس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی ہر وقت پیش نظر رہے۔ خودغرضی کو قریب نہ آنے دے۔

اب ذرا اپنے عوام کی نصف صدی کی کاوشوں کا جائزہ لیں، کیا عوام نے کسی الیکشن میں کسی انسان کو ووٹ دیکر ایوانِ اقتدار میں بھیجا ہے ظاہر ہے کہ انہوں نے ہر الیکشن میں ہر جگہ صرف Social Animal کو منتخب کر کے اقتدار کا اہل قرار دیا ہے، انسان کی تعریف پھر پڑھ لیجئے اور نصف صدی میں اپنی حکومت کے ذمہ داروں کی کارستانیوں کا جائزہ لیجئے خدا لگتی کہئے آپ کو کسی جگہ کوئی انسان نظر آتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس جمہوریت کے ذریعے انسانیت کا ابھرنا ممکن ہی نہیں۔

میر کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب — اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہمارے موجودہ عقلِ کل حکمران نے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر یہ فرمایا ہے کہ اب تک اس ملک میں جمہوریت کے نام سے جو نظامِ حکومت چلتا رہا وہ جمہوریت ہرگز نہیں تھی۔ ہاں جمہوریت کی تہمت تھی اور میں اب یہاں حقیقی جمہوریت لا کے دکھاؤں گا اور اس عظیم مشن کے لئے اپنی زندگی کے پانچ قیمتی سال ''وقف'' کر دیئے ہیں۔

گوری مُچی کی جمہوریت کی برکات سے تو آپ کوئی نصف صدی تک فیض یاب ہوتے رہے، اب حقیقی جمہوریت کا دور شروع ہوا ہے۔ حالیہ ضلعی بنیادوں پر الیکشن جو کرائے گئے تھے، حقیقی جمہوریت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اس کی ایک جھلک اور اُٹھان بھی آپ دیکھ لیں۔

(۱) ڈھوک کھبہ کا ناظم ظفر الٰہی اور لیڈی کونسلر نشہ میں دھت رنگ رلیاں مناتے ہوئے برہنہ حالت میں گرفتار۔ (اوصاف 13-7-01)

(۲) نومنتخب ناظم نے میٹرک کی جعلی سند پیش کی ثابت ہوگئی، گرفتار کر لیا گیا۔ (نوائے وقت 23-7-01)

(۳) دھمیال لیڈی کونسلر کے گھر چھاپہ، بجلی چوری پکڑی گئی آرمی مانیٹرنگ ٹیم نے تعظیم راجہ لیڈی کونسلر کے گھر چھاپہ مار کر چوری پکڑی (نوائے وقت 9-8-01)

(۴) گوجرانوالہ میں نومنتخب نائب ناظم طارق محمود گورایہ قتل۔ 2 کونسلر سمیت تین افراد کے خلاف مقدمہ (نوائے وقت 13-8-01)

(۵) راولپنڈی یونین کونسل 79 کے نومنتخب ناظم چوہدری سرفراز افضل کی میٹرک کی سند اور شناختی کارڈ جعلی ثابت ہوئے (نوائے وقت 19-8-01)

یہ حقیقی جمہوریت کا پہلا قافلہ ہے، تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ اس حقیقی جمہوریت کے سلسلے میں وزیرِ داخلہ نے ایک نہایت نشاط انگیز اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''امریکی ایجنڈے پر کام نہیں کر رہے پاکستان پراگریسو اور سیکولر سٹیٹ بنایا جائے گا'' (نوائے وقت

11-6-2000) لیجئے کام ہلکا ہو گیا، پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰـہ الا اللـہ کہنے والے سن لیں۔اب یہ سیکولر سٹیٹ بنے گی یعنی اس نعرے میں اِلَّا اللّٰـہ زائد ہے۔پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰـہ یعنی ہوالدسو لیے آ۔دیکھئے حقیقی جمہوریت اور کیا کیا بہار دکھاتی ہے۔وزیر داخلہ نے غالبًا اپنے نام کی لاج رکھنے کیلئے یہ عظیم منصوبہ بنایا ہے۔معین الدین کے معنی ہیں دین کی اعانت کرنے والا اور حیدر کے معنی ہیں شیر۔دین کی اعانت کا اس سے بہتر کوئی طریقہ بھلا تصور میں بھی آسکتا ہے کہ اسلامی سٹیٹ کو سیکولر سٹیٹ بنا دیا جائے۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہمارے بادشاہ سلامت نے جو یہ پانچ سال کی قربانی دیکر حقیقی جمہوریت عطا کرنے کا تہیہ فرمایا ہے یہ بات سمجھ میں نہین آتی کہ اس حقیقی جمہوریت سے انسانیت کا کیا سنورے گا اور حق کی کیا خدمت ہوگی کیونکہ یہ کام تو سارے کا سارا عوام کی اکثریت پر منحصر ہے اور اکثریت کی حقیقت قرآنِ کریم نے واضح فرما دی، اور یہ کبھی دنیا میں ہوا نہین کہ تھوہر کو نچوڑیں تو اس میں سے شہد ٹپکنے لگے ظاہر ہے کہ جمہوریت کے چنڈو خانے میں وہ لوگ تو آنے سے رہے جن کے متعلق اللہ کریم نے اِنَّ عِبَادِیْ فرمایا۔اس میدان میں تو حزب الشیطان کے سرگرم کارکن ہی اتریں گے۔ان کا باہمی مقابلہ ہوگا جو پہلوان شیطان کا مخلص اور وفادار ہوگا اور جس میں ابلیسیت کا عنصر سب سے زیادہ ہوگا۔عوام کی اکثریت اسی کا رخ کرے گی اور اسے اکثریت کے ووٹ ملیں گے اور ظاہر ہے کہ منتخب ہو کر اپنے آقا کی وفاداری کا ثبوت ہی دے گا جس کے متعلق اس کے خالق نے فرمایا ہے کہ اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔تو وہ منتخب حکمران انسان دشمنی کے علاوہ کیا کر سکے گا اس لئے حقیقی جمہوریت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

اللہ بس، باقی ہوس

*****